THE CHALICE & THE BLADE

BY RIANE EISLER

جام اور خنجر

ہماری تاریخ اور ہمارا مستقبل

ریان آئسلر ترجمہ: محمد یحییٰ خان

ڈارون کی کتاب ''اوریجن آف سپیشیز'' کے بعد اہم ترین کتاب

500,000
سے زائد کاپیاں
فروخت ہو چکی ہیں

مشعل

MashalBooks

1

جام اور خنجر

ریان آئسلر

ترجمہ: محمد یحییٰ خان

مشعل

آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

جام اور خنجر

ریان آئسلر

ترجمہ: محمد یحییٰ خان

کاپی رائٹ اردو © 2011 مشعل بکس
کاپی رائٹ انگریزی © ریان آئسلر 1995,1987

ناشر: مشعل بکس
آر۔بی۔5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون وفیکس 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

ترتیب

اظہار تشکر 7

تعارف کتاب 11

باب 1: ایک گمشدہ دنیا کا سفر: آغازِ تہذیب 27

باب 2: ماضی سے ملنے والے پیغامات: دیوی کی دنیا 47

باب 3: اساسی فرق: جزیرہ کریٹ 65

باب 4: ابتدا سے قرون وسطیٰ تک 83
جام میں سے خنجر کیسے برآمد ہوا

باب 5: بھولے بسرے زمانے کی یادیں: دیوی کا ورثہ 105

باب 6: تکذیب حقیقت: حصّہ اوّل 131

باب 7: تکذیب حقیقت: حصّہ دوم 147

MashalBooks.org

باب 8:   تاریخ کا دوسرا نصف: حصّہ اوّل.........167

باب 9:   تاریخ کا دوسرا نصف: حصّہ دوم.........189

باب 10:   نقوشِ ماضی: نسوانیت اور تاریخ.........209

باب 11:   چھٹکارا: نامکمل تقلیب.........239

باب 12:   ارتقا کا تعطل: تسلط کا مستقبل.........261

باب 13:   ارتقا میں پیشرفت: شراکت دارانہ مستقبل.........279

تازہ ترین صورتِ حال

25 ویں طباعت کے لئے خصوصی ضمیمہ.........305

MashalBooks.org

5

اظہارِ تشکر

یہ کتاب کئی جہتوں سے ایک مشترکہ کوشش ہے جس میں بے شمار خواتین و حضرات کی مساعی اور بصیرت سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے متعدد کا توضیحی حاشیوں میں شکریہ ادا کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی تھے جن سے نقد و نظر، تجاویز، ترتیبِ اشاعت اور مسودہ کاری میں ہمیں معاونت ملتی رہی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ گزشتہ دس برس سے زائد عرصہ سے ان کی جو تائید و انمول حوصلہ افزائی ہمیں حاصل رہی وہ ہماری ہمتوں کو توانائی بخشتی رہی۔

David Loye کی معاونت، جن سے یہ کتاب معنون کی جا رہی ہے، اتنی خطیر تھی کہ میں کسی طور بھی اس کا کما حقہ، شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اگر وہ مجھ سے اتنے برس بھرپور عملی تعاون نہ کرتے تو یہ کتاب ہرگز منصۂ شہود پر نہ آ سکتی۔ وہ سماجی علوم کے محقق کے طور پر اپنی گرانقدر مصروفیات کو ایک طرف رکھ کر اس تصنیف کے لئے اپنی علمی بصیرت، سوچ بچار، مہارتِ تدوین اور قوتِ ادراک کو نہایت فیاضی کے ساتھ بروئے کار لاتے اور اتنے صبر و بے لوثی کا مظاہرہ کرتے کہ انسانی حدودِ استطاعت سے آگے نکل جاتے۔

بہت سی خواتین، جنہوں نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اس کتاب کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، میں ان میں سے اپنی دوست اور رفیقہ کار Annette Ehrlich کی خاص طور پر ممنونِ احسان ہوں، انہوں نے بطور پروفیسر آف سائیکالوجی اور سائنٹیفک ایڈیٹوریل کنسلٹنٹ بے حد مصروف ہونے کے باوجود اپنا وقت نکالا اور بہت طویل مسوّدوں کو کئی بار پڑھا جن میں سے بالآخر "The Chalice and the Blade" برآمد ہوئی۔ ان کے بے لاگ

تنقیدی جائزوں اور مستحکم حمایت نے میرے ان جذبوں اور توانائیوں کو تقویت پہنچائی جو کبھی کبھی کمزور پڑ جاتی تھیں۔ میں Carole Anderson، Fran Hosken، Mara Keller، Rebecca McCann، Isolina Ricci اور آنجہانی Wilma Scott Heide کی بھی بے حد شکر گزار ہوں۔ ان میں سے ہر ایک نے مختلف مراحل پر سارے یا بیشتر مسوّدے کو پڑھا، اہم تجاویز دیں اور بھرپور حمایت و محبت کا اظہار کیا۔

"The Chalice and the Blade" اور میں Ashely Montague کی بھی زیرِ بارِ احسان ہیں جس نے اپنی دو کتابوں کو تشنۂ تکمیل چھوڑتے ہوئے اس کتاب کے مسوّدے کو حرف بحرف اور حاشیہ بحاشیہ پڑھا۔ یہ اس شخص کا میرے کام پر اظہار اعتماد تھا جس نے اپنی طویل اور غیر معمولی طور پر بارآور زندگی انسانی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر رکھی ہے وہ میرے لیے بہت بڑی مدد اور حوصلہ افزائی کا باعث بنا۔

اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کرنے والے ہر فرد کا مناسب طور پر شکریہ ادا کرنے کے لیے مجھے ایک اور کتاب لکھنا پڑ جائے گی۔

میری بیٹیوں Andrea اور Loren Eisler، میری ایجنٹ Ellen Levine میرے ایڈیٹر جان جانسن اور ''ہارپر اینڈ رو'' میں کام کرنے والے سبھی افراد بشمول Clayton Carlson، Tom Dorsaneo، Yvomnne Keller، Dorian Gossy اور Verginia Rich اور دیگر لوگوں نے اس کتاب کے آخری مراحلِ تکمیل میں قابل قدر کردار ادا کیا ہے۔

دست تعاون بڑھانے والوں میں چند ایک جنہوں نے اپنی مخصوص شعبہ جاتی مہارتوں کے تناظر میں The Chalice and the Blade کے جاری کام میں اہم کردار ادا کیا، ان میں ماہرین آثاریات Marija Gimbutas اور Nicolas Platon، ماہرین معاشرتی علوم Jessie Bernard اور Joan Rockwell، ماہرِ نفسیات Jean Baker Miller، ماہرینِ ثقافت و فنون Elinor Gadon اور Merlin Stone, ماہر ادبی تقابل Gloria Orenstein، ماہر حیاتیات Vilmos Csani ماہرینِ ''نظام ہائے خود انتظامی'' و ''اختلال'' Ervin Laszlo اور Ralph Abrahans، ماہر طبعیات Fritjof Capra، ماہرینِ مستقبلیات Hazel Henderson اور Robert Jungk اور عالم دینیات Carol chrsit شامل تھے ان کا شکریہ بھی مجھ پر لازم ہے۔

اسی طرح جنہوں نے مسوّدے کے اجزا کی ریڈنگ کی یا اہم تجاویز دیں، معلومات فراہم

MashalBooks.org

کیں اور میری ہمت افزائی کی ان میں حروف تہجی کی ترتیب سے درج ذیل شامل ہیں Andra Akers، Lettie Bennet، Anna Binicus، June Brindel، Marie cantlon، Olga Eleftheriades، Julia Eisler، Maier Greif، Mary Hardy، Helen Helmer، Allie، Hixson Holm، Elizabeth Honegger، Barbara Ikof، Al Jarvis، Ed، عابدہ خانم، Samson Knoll، Pat Sala، سوسن مہرہ، Mary and Floyd Morain، Hilkka Pietila اور Cosette Thomson۔ یہ فہرست طویل تر ہوتی جا رہی ہے مگر جگہ کی کمی ہر ایک کا ذکر کرنا ناممکن بنا رہی ہے۔ چنانچہ میں اپنی یادداشت کی کوتاہیوں پر معافی کی خواست گار ہوں کیونکہ میں ان کے نام لے کر ان سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی جو میری کئی برسوں کی تحقیق اور تحریروں کے دوران میرے لئے ذہنی انگیخت کا ذریعہ اور میرا جذباتی سہارا بنے رہے۔

میں ان کا بھی خصوصی طور پر شکر ادا کرنا چاہتی ہوں جو مسوّدے کی تیاری کے بظاہر لامتناہی سلسلے میں میرے ساتھ شریک رہے، یا رہی ہیں۔ بالخصوص میں Jeannie Adams، Ryan Bounds، Kedron Bryson، Kathy Campbell، Sylvia Edgren، Elizabeth، Dolmat، DiAna، Elizabeth Harrington، Cherie Long، Jeannie McGregor، Mike Rosenberg، Cindy Sprague، Susanne Sharlione، Elizabeth Wahbe اور Jo Warley کا ادا کرنا چاہتی ہوں۔

MashalBooks.org

تعارف کتاب

یہ کتاب ایک دروازہ کھولتی ہے، اسے کھولنے کی چابی بہت سے لوگوں اور بہت سی کتابوں نے تیار کی ہے۔ اس کے پیچھے واقع مناظر کی پوری چھان بین کے لئے مزید لوگوں اور کتابوں کی ضرورت ہے۔ مگر اس دروازے کو ایک درز کی حد تک کھولنے سے بھی ہمارے ماضی کے بارے میں ایک نئے دلفریب و مسحور کن علم کا انکشاف ہوتا ہے اور ہمارے امکانی مستقبل کے بارے میں بھی ایک نیا منظر دکھائی دیتا ہے۔

میرے لئے اس دروازے کی تلاش عمر بھر کی ایک جستجو رہی ہے، میں نے اپنی زندگی کے اوائل میں دیکھا کہ مختلف تہذیبوں کے لوگ جس چیز کو ایک پیش پا افتادہ حقیقت کے طور پر لیتے ہیں وہ ہر جگہ وہی کی وہی نہیں ہے۔ اسی زمانے میں میرے دل میں انسانی حالات سے آگاہی پانے کا بھی ایک زبردست جذبہ اور شوق پیدا ہوگیا۔ جب میں بالکل چھوٹی سی تھی اپنے گردو پیش کی جس دنیا کو بظاہر محفوظ سمجھتی تھی وہ آسٹریا پر نازیوں کے قبضے سے تہہ و بالا ہوگئی۔ پھر جب میں نے چند مسلح لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے باپ کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے ہیں تو میں کانپ کر رہ گئی۔ میری ماں نے کئی جتن کر کے خفیہ جرمن پولیس گسٹاپو سے میرے باپ کو حیرت انگیز طور پر چھڑوا لیا تو ہم نے اسی میں خیریت جانی کہ یہاں سے بھاگ نکلیں۔ چنانچہ میرے والدین اور میں طیارے میں سوار ہوکر پہلے کیوبا گئے اور بالآخر امریکہ جا پہنچے۔ اس تجربے نے مجھے تین مختلف تہذیبوں سے آشنا کر دیا۔ جن میں ہر ایک اپنی الگ الگ حقیقت رکھتی تھی۔ میں نے بہت سے سوالات مرتب کئے اور ہر کسی سے ان کا جواب مانگنے لگی۔ یہ سوالات میرے نزدیک فرضی و قیاسی نہیں ہیں اور کبھی بھی اتنے مشکل

MashalBooks.org

نہیں تھے کہ ان کا کوئی جواب ہی نہ ہو۔

ہم ایک دوسرے کو کیوں شکار کرتے ہیں اور پھر انہیں اذیتیں کیوں دیتے ہیں؟ ہماری دنیا رسوائے انسانیت انسانوں سے کیوں بھری پڑی ہے اور بالخصوص عورتوں سے رسوا کن سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ انسان اپنی ہی نوع پر وحشیانہ مظالم کیوں ڈھاتا ہے؟ وہ کیا چیز ہے کہ ہم ہمیشہ سے شفقت کی بجائے ظلم کی طرف، امن کی بجائے جنگ کی طرف اور تشکیل کی بجائے تباہ کاری کی طرف مائل رہتے ہیں؟

کرۂ ارض پر پائی جانے والی اقسامِ زندگی میں صرف ہم ہی ہیں جو درخت لگا سکتے ہیں اور کھیتوں میں فصل اگا سکتے ہیں، شاعری کر سکتے ہیں موسیقی ترتیب دے سکتے ہیں، حق و انصاف تلاش کر سکتے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا سکتے ہیں حتیٰ کہ ہنسنا اور رونا بھی جانتے ہیں۔ چونکہ ہم نئے حقائق کا تصور کرنے اور انہیں نہایت ترقی یافتہ ٹیکنالوجیز کے ذریعے بروئے کار لانے کی بے مثل صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے ہم اپنے ارتقا کے صحیح معنوں میں شریک کار ہیں اور پھر بھی ہماری یہ باکمال نوع نہ صرف اپنے اس ارتقا کو ختم کرنے پر کمر بستہ دکھائی دے رہی ہے بلکہ روئے زمین پر پائی جانے والی بیشتر زندگی اور کرۂ ارض کو ماحولیاتی تباہ کاری یا ایٹمی فناہ کاری سے دوچار کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

وقت گزرتا رہا اور میں اپنی پیشہ ورانہ تعلیم میں مصروف ہوگئی، بچے پیدا ہوئے، تحقیق و مطالعے میں انہماک بڑھتا رہا اور مستقبل کے بارے میں لکھتے رہنے کی وجہ سے میری سوچوں میں وسعت اور گہرائی آتی چلی گئی۔ بہت سے دیگر لوگوں کی طرح میں بھی اس بات کی قائل ہوگئی کہ ہم تیزی کے ساتھ ایک ارتقائی چوراہے کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہ کہ اس سے پہلے ہم نے جتنے راستے اختیار کئے تھے، ان میں اس سے زیادہ خطرناک راستہ کبھی شامل نہیں تھا۔ مگر اب ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟

سوشلسٹ اور کمیونسٹ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے مسائل کی اصل جڑ سرمایہ دارانہ نظام (کیپٹل ازم) ہے۔ سرمایہ داروں کا اصرار ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بعض یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہماری پریشانیاں ہمارے صنعتی نمونوں کا نتیجہ ہیں اور یہ کہ سارا قصور ہمارے ''سائنسی تصور زندگی'' کا ہے۔ کچھ اور بھی ہیں جو انسان دوستی، تحریکِ نسواں اور حتیٰ کہ سیکولرازم کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے ''اچھے پرانے وقتوں'' کی

MashalBooks.org

طرف لوٹ جانے میں عافیت سمجھتے ہیں جب زندگی کی ضرورتیں مختصر اور سادہ ہوا کرتی تھیں اور انسان پر مذہب کا غلبہ بھی زیادہ ہوتا تھا۔

تاہم جب ہم اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ٹیلی ویژن کے دباؤ اور روزانہ ناشتے پر اخبار بینی کے ایک تلخ معمول کے باعث ہم اپنے آپ کو دیکھنے کے عادی ہیں تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ سرمایہ دار، سوشلسٹ اور کمیونسٹ اقوام ایک ہی طریقے سے خطرناک ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہیں اور دیگر نامعقولیتوں میں ایک دوسری سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہیں جس سے ہم اور ہمارا معاشرہ دونوں ہی خطرات سے دوچار ہیں۔ اگر ہم اپنے ماضی کو دیکھیں تو جتنے ہُن، رومن، وائیکنگز اور شامی یا مسیحی صلیبی اور مذہبی عدالتوں کے قیام والے بطور ایک معمول کشت وخون کا بازار گرم کرتے رہے ہیں، ان سے کہیں زیادہ تشدد اور ناانصافی کا مظاہرہ قبل از سائنس اور قبل از صنعت کاری والے ان معاشروں میں بھی ہوتا رہا ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

چونکہ پیچھے ہٹ جانا اصل سوال کا جواب نہیں ہے پھر ہم آگے کیسے بڑھیں؟ عہدِ نو کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ ایک بہت بڑا اور عدیم النظیر ثقافتی عمل تغیّر رونما ہو رہا ہے[1] مگر عملی طور پر یہ کیا معنی رکھتا ہے؟ ہماری روز مرہ کی زندگی اور ہمارے ثقافتی ارتقا میں کیا فرق پڑے گا، یعنی ان دونوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا ایک ایسے نظام کو بدلا جا سکتا ہے جو طویل جنگوں، معاشرتی ناانصافی اور ماحولیاتی عدم توازن کی طرف لے جا رہا ہو، اس کی جگہ ایسا نظام لے آنا جو امن، معاشرتی انصاف اور ماحولیاتی توازن قائم کر دے ایک حقیقت پسندانہ امکان ہوسکتا ہے؟ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ معاشرتی ڈھانچے میں کیا تبدیاں لائی جا سکتی ہیں جو ایسے عمل تغیر(transformation) کو ممکن بنا دیں۔

ان سوالوں کے جوابات کی تلاش وجستجو نے مجھے اپنے ماضی، حال اور مستقبل کی از سرِ نو جانچ پڑتال پر آمادہ کر دیا جس پر یہ کتاب مبنی ہے The Chalice and the Blade انسانی معاشرے کے ایک نئے مطالعے کے ایک جزو کو پیش کرتی ہے جو اس سے قبل کئے گئے بیشتر مطالعات سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں پوری انسانی تاریخ (بشمول زمانہ قبل از تاریخ) اور پوری انسانیت کو پیش کیا گیا ہے (جس میں مذکر اور مؤنث دونوں صنفوں کو (بطور دو نصف نصف اجزائے انسانیت) سامنے لایا گیا ہے۔

آرٹ، آثاریات، مذہب، معاشرتی علوم اور بہت سے دیگر شعبہ ہائے تحقیق کی شہادتوں کے تانے بانے کو نئے نقوش میں ڈھال کر بہترین معلومات کا ایک مرقع تیار کیا گیا "The Charlice and the Blade" کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ ہمیں ہماری تہذیب و ثقافت کے منابع کی بالکل ایک نئی کہانی سناتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ جنگ اور ''صنفوں کی جنگ'' نہ تو مافوق البشری اور الہیاتی ہیں اور نہ حیاتیاتی فرمانِ تقدیر ہیں۔ یہ اس امر کی تصدیق فراہم کرتی ہے کہ بہتر مستقبل کا پورا پورا امکان موجود ہے اور...................... اور یہ دراصل ہمارے ماضی میں وقوع پذیر ہونے والے حسرت ناک اور دلدوز ڈرامے میں مضبوطی سے پیوست حقائق ہیں۔

انسانی صلاحتیں: دو متبادل

ہم پرانے دور کی ہم آہنگ اور پُر سکون زندگی کے روایتی قصوں سے آگاہ ہیں۔ بائبل ہمیں ایک باغ کے بارے میں بتاتی ہے جس میں ایک عورت اور ایک مرد آپس میں اشیائے فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ''نر'' معبود نے فیصلہ صادر کیا کہ اب سے عورت مرد کی مطیع فرمان ہوا کرے گی۔ چینی تاؤتی چنگ نے ایک زمانے کا ذکر کیا ہے جب نسوانی اصول مردانہ اصول کا تابع فرمان نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب ماں کی دانائی کا ہر جگہ احترام ہوا کرتا تھا اور سب اسی کے پیروکار ہوتے تھے۔ قدیم یونانی شاعر نے ''سنہری نسل'' کے بارے میں لکھا ہے جو بڑی آسان اور پرسکون فضا میں زمین میں ہل چلایا کرتی تھی، یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ایک ''گھٹیا نسل'' اپنے درمیان خدائے جنگ کو لے آئی۔ لیکن اگرچہ سکالرز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تحریریں زمانہ قبل از تاریخ کے واقعات پر مبنی ہیں اور اس وقت کا حوالہ دیتی ہیں جب عورتیں اور مرد رفاقت کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن ان قصوں کو روایتی طور پر ایک تخیل سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

جب علم آثاریات اپنے عہد طفولیت میں ہی تھا ہنرخ اور صوفیہ شلائمن کی کھدائیوں نے ہومر کی ٹرائے (Troy) کی حقیقت کے قیام میں مدد دی۔ آج کی نئی آثاریاتی کھدائیوں نے پرانی کھدائیوں کی از سرنو تعبیر سے، جو کہ مزید نئے سائنسی طریقوں کے ذریعہ کی جا رہی

ہے، پرانی کہانیوں کی تصدیق کر دی ہے جن میں باغِ عدن سے اخراج کی کہانی بھی شامل ہے۔ عوامی یادداشتوں میں اولین زرعی (یا نئے حجری) معاشروں کے قصے بھی رچے بسے ہوئے ہیں جنھوں نے اس زمین پر پہلے پہل باغات لگائے تھے۔ اسی طرح (جیسا کہ ماہر آثاریات سپائرِیڈون مارِیناٹوز نے تقریباً پچاس برس پہلے خیال ظاہر کیا تھا) وہ روایت ملتی ہے جس میں اٹلانٹیس کی شاندار تہذیب کے سمندر میں غرق ہونے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اسے بجا طور پر ''مینوآن'' تہذیب کی مسخ شدہ کہانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اب خیال کیا جاتا ہے کہ ''مینوآن'' اس وقت ختم ہوگئی تھی جب کریٹ اور اس کے اردگرد کے جزیروں کو زلزلوں اور تند و تیز سمندری لہروں نے شدید نقصان پہنچایا تھا۔ (۲)

جس طرح کولمبس کے زمانے میں انکشاف ہوا کہ زمین چپٹی نہیں۔ اس نے ایک حیرت انگیز دنیا کی تلاش ممکن بنا دی جبکہ زمین ہمیشہ سے ویسی ہی چلی آرہی تھی، ان آثاریاتی انکشافات نے (جنھیں برطانوی ماہر آثار قدیمہ جیمز میلارٹ حقیقی آثاریاتی انقلاب قرار دیتا ہے) ہمارے مخفی ماضی کی حیرت انگیز دنیا کے در کھول دیئے۔ (۳) یہ امن اور خوشحالی کے اس طویل دور کا انکشاف کرتے ہیں جب ہمارا معاشرتی، تیکنیکی اور ثقافتی ارتقا اوپر کی جانب جا رہا تھا، یہ کئی ہزار برسوں پر محیط تھا جب تمام بنیادی ٹیکنالوجیز، جن پر تہذیب کی تعمیر ہوئی ہے ایسے معاشروں میں بھرپور ترقی پا رہی تھیں جن میں نہ مردوں کا غلبہ تھا، نہ کہیں تشدد اور نظامِ مراتب دیکھنے میں آتا تھا۔

اس امر کی بھی تصدیق ہوئی ہے کہ بہت سے قدیم معاشرے تھے جو ہمارے معاشرے سے کلیتاً مختلف تھے مگر ان کے آرٹ، داستانوں اور حتیٰ کہ تاریخی تحریروں میں ہستئی مطلق (Deity) کی شبیہوں کو مؤنث ظاہر کیا گیا تھا، اگرچہ ان کی بعض شبیہیں ناقابل وضاحت ہیں۔ تاہم ان میں کائنات کا تصور بطور ایک ایثار پیشہ ماں دیا جانا، زندہ ہے اور ہمارے دور میں پہنچ چکا ہے (اگرچہ وہ ترمیم شدہ شکل میں ہے) چین میں اب تک دو دیویوں "Tsu" اور "Kuan Yin" کی رحمدل اور فیض رساں ہستیوں کے طور پر وسیع پیمانے پر پوجا کی جا رہی ہے مختصراً یہ کہ ماہر بشریات پی ایس سنگرین کہتا ہے کہ 'کوآن ین' (Kuan Yin) مقبول ترین چینی دیوی ہے۔ (۴) اسی طرح مادرِ خدا ''میری'' کی تعظیم وتکریم وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔ اگرچہ کیتھولک دینیات میں ان کا رتبہ گھٹا کر ''غیرالوہی'' کر دیا گیا ہے لیکن ان کی الوہیت ان

MashalBooks.org

کے خطاب ''مادرِ خدا'' میں بھی مضمر طور پر موجود ہے اور لاکھوں افراد کی نمازوں میں بھی تسلیم کی جاتی ہے جو ہر روز ان سے پُر شفقت حفاظت وتسکین کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ مزید برآں یسوع مسیح کی ولادت، موت اور قیامت کی کہانی حیرت انگیز طور پر ان قدیم ''پراسرار رسوم'' سے مشابہ ہے جو ایک الوہی ماں اور اس کے بچے کے گرد گھومتی ہیں یا ''Demeter'' اور اس کی بیٹی ''Kore'' کی پوجا میں مذکور ہے۔

اس بات میں بھی ایک گہرا مفہوم پایا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں الوہی طاقتوں کے انسانی ظہور کو مرد کی بجائے عورت کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ جب ہمارے آباؤ اجداد نے دائمی سوالات (ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں سے آئے؟ اور مرنے کے بعد کہاں جائیں گے؟) پوچھنا شروع کئے انہوں نے یہ ضرور سوچا ہوگا کہ زندگی ایک عورت کے جسم سے برآمد ہوتی ہے۔ ان کے لئے اس بات کا تصور بھی ایک فطری امر ہوگا کہ وہ کائنات کو سب کچھ عطا کرنے والی ماں کے مماثل سمجھیں جس کے رحم میں سے زندگی پھوٹتی ہے اور جس سے سلسلہ ہائے روئیدگی کی طرح موت کے بعد دوبارہ زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس بات میں بھی ایک مفہوم موجود ہے کہ جن معاشروں میں کائنات پر حکمرانی کرنے والی قوتوں کا یہ تصور تھا ان کا سماجی ڈھانچہ ان معاشروں سے یقیناً بہت مختلف ہوتا ہوگا جو ایک ایسے الوہی باپ کی عبادت کرتے تھے جو بجلی کے کڑکوں اور تلوار کا مالک تھا یا صرف تلوار لہراتا دکھائی دیتا تھا۔ یہ بات بھی مزید منطقی دکھائی دیتی ہے کہ ان معاشروں میں عورتوں کو مطیع شے نہیں سمجھا جاتا ہوگا جو کائنات پر حکمرانی کرنے والی قوتوں کو زنانہ شکل کی حامل تصور کرتے تھے اور یہ کہ دیکھ بھال کرنے، محبت وشفقت کرنے اور عدم تشدد کی ''زنانہ'' صفات کو ان معاشروں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جو چیز اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتی وہ یہ نتیجہ اخذ کرنا ہے کہ جن معاشروں میں مرد عورتوں کو مغلوب کر کے نہیں رکھتے وہ ایسے معاشرے ہوتے ہیں جن میں عورتیں مردوں کو مغلوب کر کے رکھتی ہیں۔

تاہم جب 19ویں صدی میں ایسے معاشروں کے بارے میں پہلی شہادت کا سراغ لگایا گیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ وہ یقیناً ''مادرسری'' (matriarchal) ہوں گے۔ پھر جب اس شہادت نے اس نتیجے کی حمایت کی تو یہ دلیل دینے کا پھر رواج بن گیا کہ انسانی معاشرہ مرد کے زیر فرمان ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا لیکن اگر ہم حقیقت کے مروّجہ ماڈلوں

MashalBooks.org

سے خود کو آزاد کرا لیں تو صاف ظاہر ہے کہ ایک اور منطقی متبادل موجود ہے: کہ ایسے معاشرے ہو سکتے ہیں جن میں تفریق و امتیاز کو لازماً کمتری یا برتری کے آئینے میں نہیں دیکھا جاتا۔

انسانی معاشرے کی تذکیر و تانیث کے نظریئے سے از سر نو جانچ پڑتال کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ثقافتی ارتقا کا ایک نیا نظریہ سامنے آ گیا، یہ نظریہ جسے میں نظریۂ ثقافتی تقلیب کہتی ہوں یہ تجویز دیتا ہے کہ انسانی تہذیب کے تنوع کی عظیم سطح کے پیچھے معاشرے کے دو بنیادی ماڈل کارفرما ہوتے ہیں:

پہلا ماڈل جسے میں ''تسلط ماڈل'' کہتی ہوں وہ ہے جسے عام طور پر پدرسری یا مادرسری کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانیت کے ایک نصف کو دوسرے نصف سے برتر قرار دے دینا۔ دوسرا ماڈل جس میں معاشرتی تعلقات بنیادی طور پر اصولِ رابطہ پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ درجہ بندی پر۔ اسے شراکت داری ماڈل کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس ماڈل میں ہماری انواع میں پائے جانے والے اصل بنیادی فرق ''نر'' اور ''مادہ'' سے شروع ہوتا ہے اس تنوّع کو نہ کمتری سے تعبیر کیا جاتا ہے نہ برتری سے۔(۵)

نظریہ ثقافتی تقلیب مزید کہتا ہے کہ ہمارے ثقافتی ارتقا کے اصل دھارے کا رُخ شراکت داری کی طرف تھا مگر درمیان میں انتشار اور بدنظمی کا دور حائل ہو گیا جس سے ایک کلّی ثقافتی انقطاع (total cultural disruption) واقع ہو گیا۔ اس طرح ایک بنیادی معاشرتی تبدیلی (شفٹ) نمودار ہوگئی۔ مغربی معاشروں کی تحقیق سے حاصل ہونے والی وافر معلومات کی دستیابی (جو کہ نسلی تقابل پر مغربی سوشل سائنس کے خصوصی فوکس سے ممکن ہوئی ہے) نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ مغربی ثقافتی ارتقا کا تجزیہ کر کے اس تبدیلی (شفٹ) کا تفصیلی ریکارڈ رکھا جائے۔ تاہم اس امر کی علامات موجود ہیں کہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی ''شراکت داری ماڈل'' سے ''تسلط ماڈل'' تک کی تبدیلیوں کو کم و بیش اس کے متوازی سمجھا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا ٹائیٹل "The Chalice and the Blade" ماقبل از تاریخ کے دوران مغربی تہذیب کے اس زبردست نقطۂ انقلاب سے ماخوذ ہے جب ہمارے ثقافتی ارتقا کی سمت یکدم الٹ گئی۔ بنیادی شاخیں پھوٹنے کے اس مرحلے میں ایسے معاشروں کے ثقافتی ارتقا کا عمل

MashalBooks.org